علم دین اور اکابر علماے دیوبند کا فکر و مزاج

[۲/اپریل ۲۰۰۹ کو الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں علما کی ایک پر وقار تقریب سے حضرت مولانا مفتی محمد زاہد، حضرت مولانا مفتی محمد طیب اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اہل علم کی ذمہ داریوں اور اکابر علماے دیوبند کے تصور علم کے مختلف پہلووں پر خطاب کیا۔ اکادمی کے رفقا مولانا محمد سلیمان اور مولانا ساجد مسعود نے انھیں صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔ ان کے شکریہ کے ساتھ یہ خطابات یہاں افادۂ عام کے لیے شائع کیے جا رہے ہیں۔ (مدیر)]

حضرت مولانا مفتی محمد زاہد (استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد وعلى آله اجمعين و من تبعهم باحسان الى يوم الدين۔ اما بعد!

قابل صد احترام علماے کرام!

اپنے جیسے طالب علموں کے سامنے بولنے کا تو روزمرہ کا معمول ہے۔ کام ہی یہی ہے، طالب علموں کے سامنے بولنا۔ لیکن علما اور اہل علم کی موجودگی میں کوئی بات کرنا ایک آزمایش سے کم نہیں۔ بہرحال چونکہ میرا نام بول دیا گیا ہے، اس لیے چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے جس کا ہم کثرت سے تذکرہ کرتے رہتے ہیں: انما يخشى الله من عباده العلماء، کہ اللہ کی خشیت اختیار کرنا، اللہ سے ڈرنا یہ صرف علما کا کام ہے۔ علم ہوگا تو خشیت ہوگی۔ اگر علم نہیں تو خشیت بھی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب "انما" کا استعمال ہوتا ہے تو جملہ کا آخری لفظ محصور علیہ بن رہا ہوتا ہے، یعنی اس کے اندر حصر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اگر یوں کہا جاتا کہ "انما يخشى العلماء الله"، تو اس کا مطلب اور ہوتا اور "انما يخشى الله من عباده العلماء" کا مطلب اور ہے۔ اس میں "العلماء" کا لفظ جملے کے آخر میں ہے۔ اس کی مثال اہل بلاغت نے کچھ اس طرح دی ہے کہ ایک آدمی کہتا ہے "انما يعرف زيد النحو" تو اس میں محصور علیہ نحو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کو صرف نحو آتی ہے، اور اس کے سوا کچھ اور نہیں آتا۔ اگر اس میں تھوڑی سی ترتیب بدل دیں اور یوں کہیں کہ "انما يعرف النحو زيد"، تو مطلب بدل جائے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نحو اگر کسی شخص کو آتی ہے تو وہ زید ہے۔ نحو جاننے والا وہی ہے، اور کوئی نہیں ہے۔ تو یہاں اللہ جل جلالہ نے فرمایا: "انما يخشى الله من عباده العلماء" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی خشیت اختیار کرنا، یہ کام ہی اہل علم کا ہے۔ علم کے ایک لازمی تقاضے کو اللہ جل جلالہ

نے یہاں بیان فرمایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اگر اہل علم خشیت اختیار نہیں کریں گے تو پھر اللہ کے بندوں میں سے کون ہے جو خشیت کو، اللہ سے ڈرنے کو اختیار کرے گا، تعلق مع اللہ کو اختیار کرے گا؟

اللہ جل جلالہ نے ہم سب کو علم کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں نسبت عطا کی ہے۔ علم کی نسبت مل جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں وہ ظرف بنا دیا ہے، ہمیں وہ پائپ لائن بنا دیا ہے جس سے گزر کر یہ علم اگلی نسلوں تک پہنچ جائے گا اور ظاہر ہے کہ جس طرح یہ بات ضروری ہے کہ پائپ کے اندر سے جو پانی گزر رہا ہے، جو چیزیں گزر رہی ہیں، وہ صاف شفاف ہوں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جس پائپ کے اندر سے گزر رہی ہے، وہ پائپ خود بھی صاف ہو۔ جہاں سے پائپ کے اندر پانی داخل ہو رہا ہے، جس ٹنکی سے داخل ہو رہا ہے، وہ ٹنکی بھی بہت صاف ستھری ہے، پانی بھی بہت نفیس ہے، لیکن پائپ کے اندر کوئی گڑبڑ ہے، پائپ کے اندر کوئی leakage ہے جس کی وجہ سے باہر کی کوئی چیز اس کے اندر مل رہی ہے، پائپ کے اندر زنگ لگا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے پانی جو آگے سپلائی ہوگا، اس میں بھی اس کے اثرات آئیں گے۔ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اپنے بندوں تک دین پہنچانے کا ذریعہ بنایا ہے اور دین انتہائی قیمتی اور نفیس چیز ہے، لیکن اس کے باوجود بعض اوقات ہماری محنت کے وہ اثرات سامنے نہیں آتے جو ہونے چاہییں اور اسی طرح بعض اوقات ہم دین کے نام پر کام کرتے ہیں، لیکن اس کی وجہ سے اس کے نتیجے میں کوئی فتنہ اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ مسائل دین سے حل ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات حل ہونے کی بجائے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے جو چیز آئی ہے، اس میں کوئی نقص نہیں ہوسکتا، کوئی کمی نہیں ہوسکتی، کوئی خامی نہیں ہوسکتی، اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوسکتی۔ ہم سب کو ظرف جو بنایا گیا ہے، ہمیں جو پائپ لائن بنایا گیا ہے، اس میں کہیں نہ کہیں خرابی آ گئی ہے اور وہ خرابی نفسانیت کی ہوتی ہے، اپنی خواہشات کی ہوتی ہے، وہ تکبر کی ہوتی ہے، وہ عجب کی ہوتی ہے، وہ غرور کی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کی چیزیں جنہیں صوفیا کرام کی اصطلاح میں رذائل کہا جاتا ہے، یہ ہمارے اندر ہوتی ہیں اور ان رذائل کے ساتھ جب ہم دین کو لے کر چلتے ہیں تو جہاں دین آگے پہنچتا ہے، بعض اوقات ہمارے ان رذائل کے اثرات بھی آگے پہنچتے ہیں، ہماری نفسانیت کے اثرات بھی دوسروں تک منتقل ہوتے ہیں۔ جہاں علم کی روشنی جاتی ہے، وہیں ہمارے اندر کی ظلمت بھی منتقل ہو رہی ہوتی ہے۔ جہاں علم کی مٹھاس اور شیرینی جا رہی ہوتی ہے، وہیں ہمارے ان رذائل کی کڑواہٹ بھی منتقل ہو رہی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کی بات کرنا چھوڑ دیں، دین کا علم آگے پہنچانا چھوڑ دیں۔ نہیں، دین تو آگے پہنچانا ہی ہے۔ اگر اس میں کچھ ملاوٹ ہو بھی گئی تو ہوسکتا ہے ہم سے دین کو لینے والے ملاوٹ کو الگ کر لیں۔ ایسا ہوتا ہے کہ اگلی نسل صاف کر لے، لیکن بہر حال ہماری یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ ہم کوشش کریں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ظرف بنا دیا، اتنی قیمتی اور اتنی نفیس چیز اس برتن میں ڈال دی ہے تو اس برتن کو صاف ستھرا اور پاک صاف رکھنے کا اہتمام کریں۔

آج جب حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم ضلع گوجرانوالہ تشریف لائے تو انہوں نے کسی کو دعا دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو فقہ الظاہر اور فقہ الباطن کا جامع بنائے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر، صحابہ کرامؓ سے لے کر، تابعین سے لے کر ہمارے قریب کے زمانے کے بزرگوں تک ایک مشترکہ کوشش رہی ہے۔ ایک قدر مشترک سب کے اندر رہی ہے کہ جہاں وہ ظاہری علوم حاصل کرنے کا اہتمام کرتے تھے، وہیں اس بات کی بھی فکر انہیں رہتی تھی کہ اللہ کے ساتھ، جس ہستی کے علم کے ہم وارث ہیں، اس کے ساتھ ہمارا رشتہ و تعلق کیسا ہے۔ اللہ کی خشیت ہم میں

کیسی ہے۔ اللہ کی یاد ہمارے اندر کیسی ہے اور ہمارے دل و دماغ نفسانیت اور رذائل سے کتنے پاک ہیں۔ خاص طور پر جو اہل علم میں کثرت سے آنے کا خطرہ ہوتا ہے، وہ حب جاہ کی بیماری ہے، خود پسندی کی بیماری ہے، تکبر کی بیماری ہے۔ اپنی رائے پر اصرار اور جمود جس کو 'اعجاب کل ذی رای برایہ' سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر کیا ہے، یہ بیماری ہے۔ تو میں اس میں سب سے پہلے اپنے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں کہ میں اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوں کہ وقتاً وقتاً اس بات کا جائزہ لیتا رہوں، اپنا محاسبہ کرتا رہوں کہ وہ بیماری جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی ہے، یہ کہیں میرے اندر موجود تو نہیں ہے۔ میں نے فلاں موقع پر جو بات کہی، فلاں موقع پر جو طرز عمل اختیار کیا، فلاں موقع پر جو انداز اختیار کیا، جس کو میں بظاہر احقاق حق سمجھ رہا ہوں، جس کو میں بظاہر بہت اچھی بات سمجھ رہا ہوں، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ بیماریوں میں سے کوئی بیماری بھی شامل ہو۔ انسان دوسروں کو دھوکا دے سکتا ہے، اپنے آپ کو دھوکا دینا بہت مشکل ہے۔ اگر واقعتاً آدمی اپنا محاسبہ کرنے پر آ جائے تو "بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ"۔ اس لیے اپنے بارے میں ہر انسان کو، خاص طور پر جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ کوئی نسبت اور وابستگی عطا فرمائی ہے، محاسبہ، جائزہ، اپنے اوپر نظر رکھنے اور اپنی نگرانی پر توجہ دینی چاہیے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں جو ہم پڑھتے رہتے ہیں، یہ کام ہمیں کرتے رہنا چاہیے۔

بس انہی گزارشات پر میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد طیب (صدر جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

اللہم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد و بارك و سلم

حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین! اس وقت آپ ایک عظیم مقصد کے لیے یہاں جمع ہیں۔ آپ نے سنا کہ آپ کے شہر میں ایک عظیم فقیہ تشریف لا رہے ہیں اور آپ حضرات ان کی زیارت کے لیے اس وقت جمع ہیں۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم آپ کے شہر میں اس وقت موجود ہیں۔ ان شاء اللہ اس نشست میں آپ سے مخاطب ہوں گے۔ اس وقت جب بھائی عمار صاحب نے کہا کہ کچھ بات کہہ دیجیے تو یہ خیال آیا کہ علما کی مجلس میں، علما کے سامنے بات کہی تو نہیں جا سکتی، ہاں کسی بات کا تکرار کیا جا سکتا ہے۔ اور ہمارے اساتذہ نے کہا ہے کہ سبق پڑھنے کے بعد تکرار میں جو ذہین طالب علم ہے، وہی بات کہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ جو کمزور طالب علم ہو، وہ بات کا اعادہ کرے، تاکہ اس کو استاد کا فیض زیادہ مل سکے اور اس کی کمزوری نکلے۔ تو میں بھی ایک آپ کا کمزور سا طالب علم بھائی ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ 'اختلاف امتی رحمۃ'' یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس امت میں اختلاف ضرور ہوگا اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس امت میں جو اختلاف ہوگا، وہ اس امت کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا بلکہ امت کی مشکلات کے حل کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک رحمت ہے اور اس میں ضمناً ایک تیسری بات کی طرف بھی اشارہ ہے، وہ یہ ہے کہ امت میں علم اور تحقیق کا سلسلہ آگے چلے گا، کیوں کہ اختلاف وہیں آیا کرتا ہے جہاں علم اور تحقیق کا سلسلہ چل رہا ہو۔ جہاں سب ایک دوسرے کا اتباع کرنے والے ہوں، تقلید کرنے والے ہوں، وہاں اختلاف کی بھی کوئی شکل نہیں ہوتی، کوئی صورت نہیں ہوتی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آج

کل نصاریٰ میں دینی بنیادوں میں ان کے ہاں کوئی اختلافات نہیں ہوتے، اس لیے کہ دین ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے اور دین پر عمل ہی موجود نہیں ہے اور دینی مسائل پر تحقیق بھی موجود نہیں ہے، بلکہ یہ نقطہ نظر کہ زندگی کے ہر مرحلے میں دین پر عمل ہونا چاہیے، یہ نقطہ نظر بھی ان کے ہاں نہیں ہے۔ جب زندگی میں دین نہیں ہے تو زندگی کے مسائل پر دینی نقطہ نظر سے ان کے ہاں گفتگو بھی نہیں ہوگی۔ اور جہاں ان میں عمل کرنے کا جذبہ ہوگا اور یہ عقیدہ ہوگا کہ ہم زندگی کے ہر معاملے میں دین سے ہدایات لینے کے پابند ہیں، وہاں دین کے مسائل پڑھے جائیں گے، نئے مسائل بھی پیدا ہوتے رہیں گے، تحقیقات بھی ہوتی رہیں گی اور ان کا حل بھی نکالا جاتا رہے گا، اور اس حل کو نکالتے ہوئے آپس میں اختلاف بھی ہوگا۔

اس اختلاف کی حیثیت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اختلاف رحمت ہے، لیکن آج جو صورت حال ہمیں نظر آ رہی ہے، وہ یہ ہے کہ رحمت کی بجائے ہمیں وہ زحمت نظر آ رہی ہے اور اس اختلافات کی وجہ سے امت میں پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ ایک تو عام لوگ کہا کرتے ہیں کہ جی علما کا آپس میں اختلاف ہے، ہم کدھر جائیں، کس کی بات کو لیں؟ اس کی بات کو لیں یا اس کی بات کو لیں؟ حالانکہ یہ جاہلانہ بات ہے۔ آپ کو جس عالم پر اعتماد ہے اور جس کی تحقیق کو آپ صحیح سمجھتے ہیں، آپ جس کا اتباع کرتے ہیں، اس مسئلہ میں بھی آپ اس کا اتباع کر لیجیے۔ لیکن یہ صورت حال صرف عوام کے سوال تک محدود نہیں ہے۔ صورت ہمارے علما کے اندر بھی ہے کہ ایک مسئلہ میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کے نتیجے میں گروہ بندی بن جاتی ہے۔ اس اختلاف کے نتیجے میں وہ مسئلہ ایک گروہ کی شناخت بن جاتا ہے۔ جس مسئلہ میں اختلاف ہوا، گروہ بندی بن گئی اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ فلاں گروپ سے تعلق رکھتا ہے، اس مسئلہ میں یہ فلاں گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ بات صرف اس حد تک نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کی تنقیص بھی ہوتی ہے اور اپنے آپ کو چڑھایا جاتا ہے اور دوسرے کو گرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو آج امت کے اندر اختلاف جو ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت فرمایا ہے، یہ اختلاف رحمت کی بجائے آج عوام میں بھی مشکلات پیدا کر رہا ہے، یہی اختلاف آج کے علمائے کرام میں بھی مشکلات پیدا کر رہا ہے اور بہت سارے مسائل ایسے ہیں جو نئے پیدا ہو رہے ہیں اور علما کا اختلاف ہوتا ہے، اس اختلاف کی وجہ سے باہمی منافرت ہوتی ہے۔ علما اور طلبہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور ان سے اعتقاد کرنے والے جو دینی حلقے میں جڑے ہوئے لوگ ہیں، وہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ پھر جب یہ صورت حال پیدا ہوتی ہے تو کچھ درد دل رکھنے والے لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اس اختلاف کو ختم کیا جائے اور آپس میں بات چیت کرائی جائے اور بات چیت کے ذریعے مجلس میں بیٹھ کر کسی طریقے سے بات کو ختم کیا جائے۔ لیکن اس چیز کی کوشش کرتے ہیں تو اختلاف تو باقی رہتا ہے، ہاں اس اختلاف کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ کوشش ایک حد تک ٹھیک بھی ہے اور اختلاف جہاں پر ہو، وہاں ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو دیکھا جائے اور اگر اپنی بات میں کوئی کمزوری نظر آئے، دوسرے کی بات میں صداقت نظر آئے تو دوسرے کی بات کو قبول کر لیا جائے۔ اس طریقے سے اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف ہو، وہاں اختلاف ختم ہی ہو جائے۔

تو آج جو علما کا مسائل میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اختلاف میں ادب کا علم نہیں۔ یہ فقہا میں جو اختلافات ہیں، یہ اختلافات فقہا سے نہیں بلکہ یہ اختلافات صحابہ سے ہیں اور صحابہؓ سے فقہا میں آئے ہیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ فقہا نے امت کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ میں نے کہا، اللہ کے بندے! ایسا

نہیں ہے، ہزاروں حصوں سے نکال کر ان چار حصوں کی طرف لے آئے۔ صحابہ کرام کے دور میں بھی تو اختلافات مسائل میں زیادہ ہوتے تھے۔ تابعین کے زمانہ میں بھی زیادہ تھے۔ بعد میں یہ فقہیں مرتب ہونا شروع ہوئیں۔ بہت سے فقہا آئے لیکن ان فقہا کی فقہیں امت میں رائج ہوگئیں، اس طریقے سے صحابہ کا اختلاف سمٹ کر چار فقہوں میں آگیا۔ آپ جو علماے کرام ہیں، آثار صحابہ اور آثار تابعین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ یہ دیکھیں گے کہ وہ ان کو ہر بات میں مختلف آثار نظر آئیں گے۔ صحابہ کے فتاویٰ بھی مختلف نظر آئیں گے اور تابعین کے فتاویٰ بھی مختلف نظر آئیں گے، لیکن صحابہ کے دور میں اختلافی مسائل کی وجہ سے کہیں گروہ بندی ہوئی ہو، یہ آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ مزاج کا اختلاف نظر آئے گا، ذوق کا اختلاف نظر آئے گا کہ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؓ کا ذوق زیادہ تھا، وہ کوفہ میں آیا اور وہ اثرات فقہ حنفی میں آئے اور علماے احناف میں وہ منتقل ہوتے ہیں۔ ایک ذوق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تھا جو مدینہ میں تھا، وہ ذوق وہاں زیادہ پھیلا اور امام مالکؒ کی فقہ پر اس کے زیادہ اثرات آتے ہیں۔ مکہ میں ایک ذوق تھا۔ جہاں جو صحابہ رہتے تھے، ان کے ذوق کا اختلاف تو تھا، اپنا رنگ تھا، ہر شہر میں جہاں وہ گئے، ان کا اپنا رنگ تھا، وہ رنگ دوسروں کی طرف منتقل ہوا ہے، لیکن اس کی وجہ سے گروہ بندی نہیں ہوئی۔ صحابہ، تابعین اور بعد کی چار فقہوں میں اختلاف تو تھا مگر گروہ بندی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہوا ہے کہ کسی علاقے میں فقہ حنفی زیادہ پھیلی ہے تو وہاں حنفی زیادہ ہیں اور کسی علاقے میں فقہ شافعی کی تعلیمات زیادہ ہیں تو وہاں لوگ شافعی ہیں، اور ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو امام ابوحنیفہ کے مداح اور ان کے حالات زندگی پر کتابیں لکھنے والے ہیں، لیکن امام شافعی کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، اس لیے کہ جس علاقہ میں رہتے تھے، وہاں فقہ شافعی تھی۔ یہ مختلف علاقوں میں مختلف ملیں گی، لیکن یہ گروہ بندی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بعض علاقوں میں ایک امام کی فقہ تھی، دوسرے علاقے میں دوسرے امام کی فقہ تھی اور ان فقہا کی نسبت اور اثرات آج تک حرمین شریفین میں جا کر محسوس کریں گے۔ ہمارے ہاں ایک ایک مسئلہ کا اختلاف ہوتا ہے تو گروہ بندی ہو جاتی ہے اور یہ چار فقہیں ہیں اور حرمین میں یہ جمع کی صورت میں آپ کو مل جائیں گی۔ ان فقہوں کے علما کے آپس میں تعلقات بھی ہوتے ہیں اور بطور شناخت کے حنبلی یا حنفی یا شافعی بھی کہہ دیتے ہیں، لیکن یہ اختلافی گروہ بندی نظر نہیں آتی۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ تو الگ الگ فقہوں پر کام کرنے والے ہیں، جب کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہیں اور ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھانے والے ہوتے ہیں، لیکن وہاں کوئی تعصب والی بات نہیں ہوتی۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ فقہا کا اختلاف ادب کے دائرہ میں ہوا ہے، جیسا کہ اختلاف کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ آج تک ان فقہا کی فقہوں پر عمل کرنے والوں کے طرز زندگی میں یہ محسوس کیا جاتا ہے۔

ہمارے اکابر نے بھی ایک دوسرے سے مسائل میں اختلاف کیا ہے اور وہاں اختلاف کا طریقہ کار بھی بتایا ہے۔ میں چند مثالیں ذکر کرتا ہوں۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں سے جو فتاویٰ نکلتے تھے، وہ مختلف پرچوں میں شائع ہو جاتے تھے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان فتاویٰ سے اگر کسی کو اختلاف ہو یا کوئی غلطی محسوس کرے تو وہ مطلع کر دے۔ یعنی خود یہ حضرات چاہتے تھے کہ کوئی آدمی اختلاف کرے اور اگر کوئی غلطی ہو تو وہ اس کو نکالے۔

ایک اور مثال دیکھیے۔ اس بات پر فقہا کا اتفاق ہے کہ وضو میں پاؤں، ننگے ہونے کی صورت میں دھوئے جاتے ہیں جبکہ موزے کی صورت میں مسح کیا جاتا ہے، لیکن بعض صورتیں درمیانی سی آجاتی ہیں کہ جرابوں میں فقہاے اربعہ کے ہاں شاید اس کا جواز نہیں ہے، یعنی عام جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں جو ہم پہنتے ہیں۔ لیکن ان جرابوں پر چمڑا چڑھا لیا